دورِ علوی میں مسلمانوں کی اقتصادی حالت

جناب خورشید احمد فارق صاحب۔ پروفیسر شعبۂ عربی۔ دہلی یونیورسٹی دہلی

(۱) عام عرب

علی حیدر کی حکومت عام عربوں کے اقتصادی سدھار کے لئے کچھ مفید کام نہیں کر سکی بلکہ ان کے عہد میں بہت سے عرب گھرانوں کی مالی حالت خراب ہو گئی۔ عربوں کے دو طبقے تھے: ایک طبقہ فوج میں بھرتی تھا، اسے مع متعلقین حکومت کی طرف سے تنخواہ اور راشن ملتا تھا۔ راشن کی مقدار ہر فرد کی ضرورت سے زائد تھی۔ لیکن تنخواہ اتنی کم کہ بہت سی ضرورتیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔ نقد کی کمی کو عرب سپاہی بڑی حد تک غنیمت کے ان حصوں سے پورا کر لیتا تھا جو اسے غیر مسلم علاقوں میں ترکتازا اور فوج کشی کے دوران حاصل ہوتے رہتے تھے۔ علی حیدر کے عہد میں فتوحات کے دروازے بند رہے اس لئے عرب سپاہی کو غنیمت کے سہام سے اپنی آمدنی میں اضافہ کرنے کا موقع نہیں ملا۔ اس نقصان کے علاوہ ایک دوسرا خسارہ یہ ہوا کہ آرزومندانِ خلافت، کی باہمی جنگوں میں عرب سپاہی بڑی تعداد میں مارے گئے۔ جنگ جمل (۳۶ھ) اور صفین (۳۷ھ) میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ایک لاکھ کے قریب تھی۔ ان کے بعد ان کے اہل و عیال بڑے پیمانے پر مالی دشواریوں میں مبتلا ہو گئے۔ عرب فوج میں علی حیدر سے بددلی اور ان کی امیر معاویہ کے ساتھ دوسری بڑی مجوزہ جنگ میں شرکت سے پہلوتہی کرنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ بہت سے خاندان، جمل، صفین اور نہروان کے معرکوں میں اپنے کمانے والوں کو کھو کر اقتصادی بدحالی کا شکار ہو گئے تھے اور علی حیدر کی امیر معاویہ سے دوسری مجوزہ جنگ میں شرکت کرنے والے باقی ماندہ سپاہیوں کو اپنی ہلاکت اور اپنے متعلقین کے لئے اس سے پیدا ہونے والی اقتصادی مشکلات کا سخت اندیشہ تھا۔ دوسرا طبقہ جزیرۂ عرب کے صحراؤں اور دیہاتوں میں گرد و پیش

کی نامہربان قدرت سے لڑتا جھگڑتا عسرت کی زندگی گذار رہا تھا۔ صدیقی، فاروقی اور عثمانی دور میں اس طبقہ کے ہزاروں جوانوں نے اسلامی فوجوں میں بھرتی ہو کر اپنی مالی حالت سدھار لی تھی۔ حیدری خلافت میں تسخیری سرگرمیوں کے بند رہنے سے بھرتی بھی بند رہی اور جزیرہ عرب کے جوان اسلامی حکومت کی سرپرستی سے محروم رہ کر اپنی اقتصادی خستہ حالی دور کرنے پر قادر نہیں ہو سکے۔ بصرہ اور کوفہ کی چھاونیوں میں جو ایک لاکھ سے زائد فوج تھی وہی علی حیدر کی جنگوں میں کام آئی۔

(۲) غیر ہاشمی قریش (بنوامیہ)

ان کے دو طبقے تھے: ایک وہ جو حکومت اور اس کے مناصب سے وابستہ رہا تھا اور جس کے باصلاحیت افراد عثمانی دور میں خلافت کے روشن ستارے تھے۔ یہ ستارے علوی خلافت میں ایک ایک کر کے غروب ہو گئے اس طبقہ کے جن اشخاص کو عثمان غنی نے نقد عطیات، زمینیں یا نخلستان دیئے تھے وہ علی حیدر نے خلافت کا عہدہ سنبھال کر ضبط کر لئے تھے[۱] بنا بریں اس طبقہ کے متعدد با اثر اور ممتاز خاندان علوی دور میں مالی دشواریوں سے دوچار رہے اور بعض خاندانوں کی اقتصادی ترقی رکی رہی لیکن چند ہی سال بعد سفیانی عہد میں یہ طبقہ پھر ابھرا اور خلافت کے سیاسی و اقتصادی افق پر چھا گیا۔ دوسرا طبقہ جو حکومت سے براہ راست متعلق نہ تھا اور جس کی مادی خوش حالی کا انحصار زیادہ تر تجارت اور باغبانی پر تھا۔ حیدری حکمرانوں کی ناہمدرد نظروں کے سامنے دبا دبا سہما سہما رہا اور اقتصادی ترقی کے میدان میں دور سابق کی طرح سرگرمی نہیں دکھا سکا۔

(۳) انصار

علی حیدر کے مختصر دور خلافت میں انصار خلافت کے ناخداؤں میں سے تھے۔ ان کو اعلیٰ فوجی اور سول عہدے ملے جن سے شیخین اور عثمان غنی کے عہد میں وہ محروم رہے تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ابوبکر صدیق کے انتخاب سے جن دو فریقوں کو سخت مایوسی ہوئی تھی وہ علی حیدر اور ان کا ہاشمی خاندان اور انصاری شاخ خزرج کے سربرآوردہ لیڈر سعد بن عبادہ اور ان کے اہل خاندان تھے۔ حالیہ ناکامی نے دونوں فریقوں کو ایک

---

[۱] ابن ابی الحدید ۱/۹۰

دوسرے سے قریب اور کامیاب فریق کے مقابلہ میں متحد کر دیا تھا۔ علی حیدر بیوی فاطمہ اور دونوں بچوں حسن اور حسین کے ساتھ رات میں ذی اثر انصاریوں کے گھر جاتے اور شکایت کرتے کہ مجھ سے خلافت چھین لی گئی ہے۔ اور اس زیادتی کی تلافی کے لئے میری مدد کیجئے۔ ناسا عد حالات کے باعث انصار دست و بازو سے علی حیدر کی مدد نہیں کر سکے لیکن ان کی ہمدردیاں علی حیدر سے وابستہ ہو گئیں۔ صدیقی دور میں سرکاری عہدوں سے محرومی فاروقی خلافت میں اعلیٰ سول اور فوجی مناصب سے علیحدگی نیز دیوان العطاء میں مہاجرین قریش سے چھوٹا گریڈ پا کر انصار کا غبار خاطر بڑھ گیا اور وہ ہاشمی امیدوار خلافت علی حیدر کے حامی ہو گئے۔ عثمانی دور میں حکومت کی بڑھتی ہوئی بے اتفاقی سے ان کی کشیدگی اشتعال میں بدل گئی اور وہ اس مہم میں شریک ہو گئے جو غیر ہاشمی خلافت کا خاتمہ کر کے ہاشمی خلافت قائم کرنا چاہتی تھی۔ خلیفہ ہو کر علی حیدر نے انصار کو ان کی حمایت اور خلافت کی مہم میں ان کے سرگرم تعاون کا صلہ دیا۔ انھوں نے پانچ میں سے تین اہم صوبوں پر انصاری گورنر مقرر کئے جن میں ایک انصاری امیدوار خلافت سعد بن عبادہ کے فرزند قیس تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں جب سعد بن عبادہ اور ان کے قبیلہ کے ہاتھ سے ہمیشہ کے لئے خلافت نکل گئی تو وہ سخت برہم ہوئے تھے۔ انھوں نے ابوبکر صدیق کی بیعت نہیں کی تھی۔ اور احتجاجاً مدینہ چھوڑ کر شام کے ایک الگ تھلگ شہر میں جا بسے تھے۔ ان کے لڑکے قیس علی حیدر کے سرگرم کارکنوں میں سے تھے۔ اعلیٰ سول عہدوں کے علاوہ انصاری صحابہ علوی فوج کے اہم عہدوں پر بھی فائز ہوئے۔ علوی خلافت کی سب سے بڑی جنگ صفین جس میں علی حیدر کے نوے ہزار سپاہی شریک ہوئے اور جس میں طرفین کے ستر ہزار آدمی مارے گئے۔ قیس بن سعد بن عبادہ بصرہ کی پیادہ ڈویژن اور سہل بن حنیف انصاری بصرہ کی رسالہ فوج کے کمانڈر تھے[۱]

آسمان خلافت پر پونے پانچ سال چمکنے کے بعد انصاری ستارے ماند پڑ گئے۔ علی حیدر کی وفات کے سات آٹھ ماہ بعد سارے مسلمانوں نے بالاتفاق امیر معاویہ کو خلیفہ تسلیم کر لیا۔ امیر معاویہ اموی تھے اور عثمان غنی کے رشتہ دار۔ اموی دور میں انصار کو بنو ہاشم سے اپنی دوستی کی قیمت ادا کرنی پڑی۔ بنوامیہ کی نظر میں ان کا پایہ اور اعتبار گر گیا۔ امیر معاویہ نے انصار کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کیا جیسا شیخین اور

---

[۱] طبری (لائڈن)، ۱/۳۲۸۳

عثمان غنی ان کے ساتھ کرتے تھے۔ ان کے بیس سالہ دور حکومت میں صرف دو انصاری خلافت کے بڑے عہدوں پر نظر آتے ہیں۔ ایک نعمان بن بشیر اور دوسرے مسلمہ بن مخلد۔ نعمان کے والد بشیر بن سعد، سعد بن عبادہ کی طرح انصاری شاخ خزرج کے لیڈر تھے لیکن سعد بن عبادہ اثر اور رسوخ میں ان سے بڑھے ہوئے تھے۔ دوسرے اکابر قبیلہ کے دباؤ میں آکر بشیر بن سعد نے خلافت کے لئے سعد بن عبادہ کی نامزدگی قبول کرلی تھی لیکن دل سے انہیں سعد بن عبادہ کا خلیفہ ہونا گوارا نہ تھا[1]۔ سقیفہ بن ساعدہ میں جب قریش نے سعد بن عبادہ کا مطالبۂ خلافت مسترد کردیا اور فریقین میں قیل وقال بڑھی تو بشیر بن سعد نے موقع سے فائدہ اٹھاکر قریش کی خلافت کے حق میں ایک تقریر کردی۔ اس سے انصار کے کیمپ میں پھوٹ پڑ گئی انکا محاذ کمزور ہوگیا اور ابوبکر صدیق خلیفہ منتخب ہوگئے۔ اس خدمت کی ابوبکر صدیق نے قدر کی اور بشیر بن سعد کو قریشی سپہ سالار خالد بن ولید کے زیر کمان ایک دستہ کا کپتان بنادیا[2]۔ یہ نعمان جنہیں امیر معاویہ نے کوفہ کا گورنر بنایا انہی بشیر بن سعد کے لڑکے تھے اور ان کا تعلق عثمانی کیمپ سے تھا۔ اُن نو دس بڑے انصاریوں میں یہ بھی شامل تھے جنہوں نے علی حیدر کی بیعت نہیں کی تھی۔ انہی نعمان کے ہاتھ مقتول خلیفہ کی عیسائی بیوی نائلہ نے اپنے شوہر کی خون میں رنگی ہوئی قمیص اور ان کے قاتل کی تلوار سے کٹی انگلیاں امیر معاویہ کو بھیجی تھیں۔ نعمان بن بشیر کی طرح مسلمہ بن مخلد بھی عثمان غنی کے ہواخواہوں میں تھے انھوں نے مصر جاکر بہت سے عربوں کو عثمان غنی کا طرفدار بنالیا تھا اور امیر معاویہ کو مشورہ دیا تھا کہ ایک فوج بھیجکر مصر کو علوی تسلط سے آزاد کرالیں۔ امیر معاویہ نے مسلمہ بن مخلد کے مشورہ کی قدر کی اور ایک رسالہ فوج بھیجدی جس نے مسلمہ بن مخلد اور دوسرے عثمانی وفاداروں کے تعاون سے حیدری گورنر محمد بن ابوبکر (پروردہ علی حیدر) کو شکست دیکر مصر پر قبضہ کرلیا۔ مسلمہ بن مخلد کی وفاداری دس بارہ سال مزید آزمانے کے بعد سنہ ۵۰ھ میں امیر معاویہ نے انہیں مصر اور شمالی افریقہ کی گورنری سونپ دی۔

اقتصادی نقطۂ نظر سے علوی دور میں انصار کو اعلیٰ سول اور فوجی عہدوں سے کوئی خاص فائدہ نہیں ہوا۔ نامساعد حالات کے ماتحت انصاری گورنروں کو سال چھ مہینے میں اپنے منصب چھوڑنا پڑے۔ ان کے اعلیٰ فوجی افسر نے جو معرکے لڑے ان میں خود ان کے ہم مذہب مد مقابل تھے اور ان کے گھوڑوں کی ٹاپ کے نیچے غیر مسلم علاقہ نہیں

۱۔ ابن قتیبہ ص ۶

۲۔ ابن سعد ۵۳۲/۳، یاقوت (لیبزگ) ۳۰۲/۱

تھا جہاں تمرکتاز کر کے وہ اور ان کے متعلقین مختلف قسم کے مال غنیمت سے بہرہ اندوز ہونے جیسا کہ سابقہ ادوار میں مسلمان مجاہد ہوتے رہے تھے۔ اس کے باوجود کہ ایک چھوٹی سی جماعت کو چھوڑ کر سارے انصاری اکابر نے علی حیدر کی بیعت کرلی تھی، علوی لشکر میں جس کی تعداد نوے ہزار اور بقول بعض ایک لاکھ تھی، سات آٹھ سو سے زیادہ انصاری نہیں تھے[1] کئی سبب اس قلت تعداد کے ذمہ دار تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں ہمیشہ کے لئے خلافت کا میدان چھوڑ کر انصار قریش کی سیادت اور اقتصادی فروغ کی خاطر اپنی جان کی بازی لگانے سے گریز کرنے لگے تھے، ان کی مالی حالت بھی اسلام کے زیر سایہ اتنی سدھر گئی تھی کہ کسب معاش کے لئے تلواروں کے سایہ میں جنیا ان کے لئے ضروری نہیں رہا تھا، بہت سے انصاری اپنے ہم مذہبوں پر تلوار اٹھانے سے بھی جی چراتے تھے۔ علی حیدر کی خلافت میں اقتصادی اعتبار سے انصار کے وہی چار طبقے تھے جن کا عثمان غنی کے جائزہ میں ذکر ہو چکا ہے اور ان کی مالی حالت علوی دور میں کم و بیش ویسی ہی رہی جیسی کہ سابقہ دور میں تھی۔ یہ فصل ہم ایک انصاری کے ذکر پر ختم کرتے ہیں جس کی دولت کی ہمارے مراجع نے نشان دہی کی ہے۔ یہ انصاری مشہور صحابی زید بن ثابت ہیں۔ جن کا تعلق انصار کی شاخ خزرج کے ایک معمولی گھرانے سے تھا۔ کاتب وحی، جامع قرآن اور مفتی و قاضی کی حیثیت سے ان کو خاص شہرت حاصل ہے۔ رسول اللہ کی وفات کے وقت زید بن ثابت چوبیس سالہ جوان تھے۔ سقیفہ بنی ساعدہ میں انھوں نے خلافت قریش کی تائید میں تقریر کر کے ابوبکر صدیق اور ان کے رفقاء کے دل میں گھر کر لیا تھا۔[2] شیخین اور عثمان غنی تینوں کو ان کا تعاون حاصل تھا اور تینوں نے انہیں خوب نوازا بھی۔ ابوبکر صدیق نے ان سے قرآن جمع کرایا، عمر فاروق نے انہیں معاوضہ دے کر مفتی و قاضی کے فرائض سپرد کئے۔ اور وہ جب حج یا کسی دوسری مہم پر مدینے سے باہر جاتے تو اکثر زید بن ثابت ہی کو اپنا جانشین مقرر کرتے تھے اور جب سفر سے واپس آتے تو انہیں بالعموم ایک نخلستان انعام میں دیا کرتے تھے[3] عثمان غنی نے زید بن ثابت کو بیت المال کا خزانچی مقرر کر دیا تھا۔ تنخواہ کے علاوہ انہیں خلیفہ سے عطیے بھی ملتے رہتے تھے۔ کبھی زر و سیم اور

---

[1] طبری (لائڈن) ۱/۳۲۸۹

[2] ابن عساکر ۵/۴۴۶

[3] ایضاً ۵/۴۴۷ و ۴۴۸

سامان کبھی جائداد اور نخلستان۔ ایک بار بصرہ سے مرکزی خزانہ کے لئے پانچ لاکھ روپے آئے تو خلیفہ نے پچاس ہزار[1] زید بن ثابت کو ان کی حسن خدمت سے خوش ہو کر عطا کر دیئے۔ زید ان نو دس انصاریوں میں سے تھے جو آخر وقت تک عثمان غنی کی حمایت و وکالت کرتے رہے تھے۔ عثمان غنی کے محاصرہ کے دوران ایک موقع پر زید بن ثابت نے انصار اکابر سے اپیل کی کہ خلیفہ کی مدد کریں اور محاصر باغیوں کو مدینہ سے نکال دیں، اس پر سہل بن حنیف انصاری نے جو علی حیدر کی طرف سے کچھ دن بعد بصرہ کے گورنر مقرر ہوئے، اچھل کر کہا: زید عثمان نے مدینہ کے نخلستانوں سے تمہارا پیٹ بھر دیا ہے[2] (اس لئے تم ان کی حمایت کرتے ہو) یا زید أشبعك عثمان من عضدان المدينة۔ رپورٹر بتاتے ہیں کہ ۴۵ھ میں جب زید بن ثابت کا انتقال ہوا تو ان کے گھر میں سونے چاندی کی سلوں کے ڈھیر لگے تھے جنھیں کلہاڑیوں سے کاٹا گیا، زر و سیم کے علاوہ ان کی جائداد اور نخلستانوں کی قیمت کا اندازہ پانچ لاکھ روپے کیا گیا ہے[3] خلف من الذهب والفضة ما كان يكسر بالفؤوس غير ما خلف من الأموال والضياع بقيمة مئة ألف دينار۔ حسب تصریح تاریخ صنعاء قلمی ان کی صرف نقد میراث گیارہ لاکھ روپے کے مساوی تھی ترك زيد بن ثابت من الذهب والفضة ما كان يكسر بالفؤوس وما بلغه مئة ألف وخمسون ألف دينار وسبعمئة ألف درهم۔

(۳) ہاشمی قریش۔

علی حیدر کے دور میں آسمان خلافت پر خانہ جنگیوں کے بادل چھائے رہے۔ جن کی سیاہ پرچھائیاں ہر عرب طبقہ کی طرح ہاشمی خاندان پر بھی پڑیں۔ علی حیدر نے خلافت کا عہدہ سنبھالا تو ایک طرف ہزاروں مسلمانوں کو طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن عوام اور ام المومنین عائشہ اور دوسری طرف سینکڑوں شامی رسالوں کو امیر معاویہ کی قیادت میں مقتول خلیفہ کے خون کا انتقام لینے کے لئے تلوار بکف پایا۔ علی حیدر کی پونے پانچ سال خلافت میں مسلمانوں کے نزاع عصبیت اور خونریزی کا المناک ڈرامہ برابر جاری رہا اور امن و سکون سے محروم رہے باحوصلہ ہاشمی افراد میں جو اسلامی صوبوں کی گورنری اور غیر اسلامی ممالک میں فتوحات کر کے اپنی اقتصادی عمارت بلند کرنا چاہتے تھے، چند سے زیادہ کی آرزوئیں پوری نہیں ہوئیں۔ علی حیدر نے اپنے پانچ اقارب کو

[1] انساب الاشراف ۵/۳۸ [2] ایضاً ۵/۷۰ [3] مسعودی (حاشیہ تاریخ کامل) ۵/۱۵۱

صوبائی گورنر مقرر کیا تھا۔ ان میں سے چار ان کے چچا عباس بن عبدالمطلب کے لڑکے تھے اور ایک محمد بن ابی بکر تھے جن کی پرورش اور تربیت ان کے زیر سایہ ہوئی تھی۔ تمّام بن عباس کو مدینہ، قُثم بن عباس کو مکہ اور طائف کی گورنری ملی، عبیداللہ بن عباس کو یمن کی عبداللہ بن عباس کو بصرہ کی اور محمد بن ابی بکر کو مصر کی۔ یہ اقارب دو تین سال سے زیادہ اپنے عہدوں کے ثمرات سے بہرہ اندوز نہ ہو سکے۔ بس عبداللہ بن عباس علی حیدر کی خلافت کے آخر تک بصرہ کے گورنر رہے اور اپنے عہدے کے مادی فوائد سے بھی اچھی طرح متمتع ہوئے۔ ان کا نظریہ تھا کہ ہاشمی حاکم ذوی القربیٰ کا حصہ ذاتی خرچ میں لا سکتا ہے خواہ مال غنیمت کے خُمس کا ہو یا زکات کے علاوہ دوسرے سرکاری محاصل کا۔ اس نظریہ کے مطابق بصرہ کے خزانہ سے ذوی القربیٰ کے حصے کے بقدر روپیہ وہ اور ان کے متعلقین اپنے صرف میں لاتے تھے[1]۔ فلما صار الامر الی علی استعمله (عبداللہ بن العباس) علی البصرة فاستحل الفئ علی تاویل قول اللہ: واعلموا انما غنمتم من شیٔ فان للہ خمسه وللرسول ولذی القربٰی والیتٰمیٰ والمساکین وابن السبیل، و استحله لقرابته من رسول اللہ۔ بصرہ کے قاضی نے ایک بار عبداللہ بن عباس کی سرزنش پہ مشتعل ہو کر بصرہ کے خزانہ میں ان کے ذاتی تصرفات کی شکایت علی حیدر کو لکھ بھیجی تو انھوں نے شاکی کا نام مخفی رکھ کر عبداللہ بن عباس کو شکایت سے مطلع کیا اور ان سے سرکاری روپیہ کا حساب مانگا۔ ابن عباس نے حساب نہیں دیا اور اپنے مختصر جواب میں شکایت کو بے بنیاد قرار دے کر خلیفہ کو اپنی دیانت داری کا اطمینان دلانے کی کوشش کی۔ علی حیدر مطمئن نہیں ہوئے بلکہ ان کا شبہ اور زیادہ پختہ ہو گیا۔ انھوں نے ایک ملامت آمیز خط میں سختی سے خزانہ کی یافت اور خرچ کے حساب کا تقاضہ کیا، عبداللہ بن عباس چڑ گئے اور علی حیدر کو لکھا: مجھے معلوم ہوا کہ آپ اس خبر کو بڑی اہمیت دے رہے ہیں کہ میں اہل بصرہ کے محاصل کا کچھ حصہ خورد برد کر رہا ہوں قسم ہے خدا کی میری نظر میں یہ کہیں بہتر ہے کہ زمین کے اندر جو سونا اور جواہرات ہیں وہ مجھے مل جائیں اور اس کی سطح پر جو ٹیلے ہیں وہ سونے کے ہو جائیں اور میں ان سب سے متمتع ہوں بہ نسبت اس کے کہ حکومت و امارت کی خاطر عرب قوم کا خون بہا کر خدا کو منہ دکھاؤں۔ اپنے اس عہدہ پر جسے چاہیں بھیج دیں۔ میں جا رہا

---

[1] ابن عبد ربہ ۳/۱۳۰

ہوں[1]۔ اللہ بلغنی تخلیطک مرزأة مال بلغنی أنی رزأته أهل هذه البلاد، وأیم اللہ لأن ألقی اللہ بما فی بطن هذه الأرض من عقیانها ولجینها وبما علی ظهرها من طلاعها ذهبا، أحب الی من أن ألقی اللہ وقد سفکت دماء هذه الأمة لأنال بذلک الملک والامرة۔ ابعث إلی عملک من أحببت فإنی ظاعن۔ یہ وہ وقت تھا جب علی حیدر پر ہر طرف سے حوادث وافکار کا ہجوم تھا۔ مصر انکے قبضہ سے نکل چکا تھا، فوج کا ایک حصہ باغی ہوکر خوارجہ کے نام سے ان کی مشرقی قلمرو میں لوٹ مار کررہا تھا، ایک دوسرا حصہ ان کی جنگ کوشی اور امیر معاویہ کے ساتھ جنگ پر اصرار سے برگشتہ خاطر ہوکر طبستان میں قسمت آزمائی کرنے چلا گیا تھا[2]۔ باقی فوج نافرمان ہوگئی تھی اور امیر معاویہ کے ساتھ جنگ کے لئے ان کی ساری اپیلیں سنی ان سنی کررہی تھی۔ دوسری طرف ان کی گرتی ہوئی خلافت پر ہر طرف سے شامی رسالے ضربیں لگارہے تھے۔ ان حالات میں ایک وفادار اور خیر اندیش بھائی کا کھونا جس کے زیر فرمان خلافت کا سب سے بڑا فوجی مرکز تھا، علی حیدر کے گھر والوں کو سخت خلاف مصلحت نظر آیا اور انھوں نے خلیفہ سے عبداللہ بن عباس کے نام ایک مصالحت آمیز خط لکھوا کر انہیں منالیا۔ اوائل ۴۱ھ میں امام حسن سے سمجھوتہ کرکے امیر معاویہ نے اپنی خلافت کا اعلان کیا تو ابن عباس بصرہ کے خزانہ سے ایک بڑی رقم لے کر جس کی مقدار تیں لاکھ روپئے[3] (ستة آلاف ألف درهم) بتائی گئی ہے مکہ چلے گئے۔

علی حیدر کے زمانہ میں مرکزی خزانہ کی آمدنی بہت کم ہوگئی تھی۔ ماتحت صوبوں سے جن کے عظیم محاصل سے عثمانی خزانہ بھرپور رہتا تھا، شام، مصر اور شمالی افریقہ سے علوی خلافت کا تسلط اٹھ گیا تھا۔ آرمینیہ، آذربی جان، خراسان، سجستان اور مکران پر خلافت کی گرفت اتنی ڈھیلی ہوگئی تھی کہ وہاں سے یافت یا تو بند ہوگئی تھی یا برائے نام رہ گئی تھی۔ کوفہ کے مرکزی خزانہ کا دارومدار چار صوبوں پر تھا۔ فارس، عراق، جبال اور خوزستان۔ یہاں سے جو روپیہ (جزیہ) اور غلہ (زنگان) آتا وہ علی حیدر کے سول اور وسیع فوجی اخراجات

---

[1] ابن عبدربہ ۳/۱۲۱، طبری (لائڈن) ۱/۳۴۵۳-۳۴۵۴۔ [2] بلاذری ص۳۳۔

[3] ابن عبدربہ ۳/۱۲۱۔

کے لئے بمشکل کافی ہوتا تھا۔ شاید وہ اپنا گھریلو خرچ یا اس کا بیشتر حصہ بھی ذاتی آمدنی سے پورا کرتے تھے۔ خزانہ کی آمدنی اس حد تک کم ہو گئی تھی کہ انھوں نے خمس کی مد سے ذوی القربیٰ کا حصہ دینا بند کر دیا تھا۔ ان کے گھر والوں نے اس پر احتجاج کیا تو انھوں نے یہ عذر پیش کیا کہ معاویہ سے جنگ کی تیاری کے مصارف اس کی اجازت نہیں دیتے۔[1]

عثمانی دور میں علی حیدر، عباس بن عبدالمطلب اور جعفر بن ابی طالب کے ہاشمی خاندان اقتصادی ترقی کے میدان میں پیش پیش تھے۔ جائداد، باغبانی اور تجارت پر ان گھرانوں کی اقتصادی عمارت اٹھی تھی۔ فاروقی اور عثمانی دور میں یہ عمارت بڑھی اور پھیلی اور حیدری خلافت میں اس کی شان میں مزید اضافہ ہوا۔ متعدد ہاشمی اشخاص کو سرکاری خدمت کی راہ سے بھی اپنی مالی حیثیت بڑھانے کا موقع ملا۔ ان میں عباس بن عبدالمطلب کے چار لڑکوں کا جو علی حیدر کے صوبائی گورنر تھے) اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ ان میں عبداللہ بن عباس جو سرکاری خمس سے ذوی القربیٰ کا حصہ ذاتی خرچ میں لاتے تھے۔ اقتصادی ترقی کے زینہ پر سب سے اوپر تھے۔ آثار و اخبار سے معلوم ہوتا ہے[2] کہ وہ پانچ سو روپے لاگت کی پوشاک پہنتے تھے[2] اور انہیں نیز علی حیدر کے بھتیجے اور داماد عبداللہ بن جعفر کو ہر سال امیر معاویہ کی طرف سے پانچ پانچ لاکھ روپے کا عطیہ ملتا تھا۔[3]

غلام اور موالی

مسلمان عربوں کی مادی خوش حالی کی بنیاد تین فریقوں کے ہاتھوں بلند ہوئی تھی (۱) مفتوحہ اقوام (۲) غلام اور (۳) موالی مفتوحہ اقوام نے اس عمارت کی تعمیر و تشکیل میں حصہ لیا اس کا ذکر پچھلے اوراق میں ہو چکا ہے۔ اس فصل میں ہم بتائیں گے کہ غلام اور موالی نے اس کے بنانے میں کیا خدمت انجام دی۔ عربوں میں غلام رکھنے کا رواج بہت پرانا تھا۔ ان کے ہاٹوں اور موسمی بازاروں میں جزیرۂ عرب اور حبشہ وغیرہ سے غلام بکنے کے لئے آتے تھے۔ غلاموں کی قیمت کا دارومدار ان کی شکل و صورت، رنگ، صحت اور صلاحیت پر ہوتا تھا۔ مہذب، سفید فام، خوبرو، ہنرمند

---

[1] شافعی ۴/۷۲، بیہقی ۶/۳۴۳ [2] تاریخ منتخام رازی قلمی

[3] رسائل جاحظ ص ۳۔

اور پڑھے لکھے غلاموں کی قیمت زیادہ اٹھتی تھی۔ عرب بالعموم حبشی غلام خریدتے جو سستے ہوتے تھے۔ ایک حبشی غلام کی قیمت سو روپے (دو سو درہم) کے اندر اندر رہتی تھی۔ ابوبکر صدیقؓ نے اسلام سے پہلے اپنے حبشی غلام بلال کو پانچ اوقیہ یا لگ بھگ سو روپے میں خریدا تھا[1]۔ رسول اللہؐ کے منظور نظر پروردہ زید بن حارثہ جو ایک خوبرو جوان تھے بیوی خدیجہ کے لئے عکاظ کے بازار سے دو سو روپے (چار سو درہم) میں خریدے گئے تھے[2]۔ صحابی نُعیم بن عبداللہ نے رسول اللہ کے حکم سے ایک پڑھے لکھے مہذب قبطی غلام کی قیمت چار سو روپے (آٹھ سو درہم) ادا کی تھی[3]۔

غلاموں سے مختلف قسم کے کام لئے جاتے تھے۔ گھریلو خدمت کے علاوہ نخلستانوں کی دیکھ بھال، کھیتوں کی کھدائی، بوائی، سینچائی اور نگرانی ان کے ذمہ تھی۔ تاجر پیشہ اور کاروباری عرب اپنے اپنے پیشوں میں غلاموں کی خدمت لیتے تھے۔ بہت سے لوگ مقررہ یومیہ ٹیکس کے بالمقابل غلاموں کو مزدوری اور کسب کے لئے بھی چھوڑ دیتے تھے۔ اگر غلام باہنر ہوتا جیسے بڑھئی یا لوہار تو اس سے یومیہ ٹیکس زیادہ وصول کیا جاتا تھا۔ زر مخلصی لے کر بھی غلام آزاد کرنے کا رواج تھا۔ غلام اور اس کے مالک کے درمیان ایک معاہدہ ہوجاتا جس کی رو سے ایک مقررہ رقم ادا کرنے پر جو زیادہ تر قسطوں میں لی جاتی، غلام آزاد ہوجاتا تھا۔ ایسے معاہدہ کا اصطلاحی نام مکاتبت تھا۔ مشہور صحابی سلمان فارسی نے اپنے یہودی آقا سے ایسا ہی معاہدہ کیا تھا جس کے تحت انہیں ایک سو ساٹھ اور بقول بعض چھ سو کھجور کی پود تیار کرنے اور آٹھ سو روپے (چالیس اوقیہ) ادا کرنے کے بعد آزادی مل گئی تھی[4]۔ کاروباری مالدار عرب کبھی غلام کی ایمانداری اور کارگذاری سے خوش ہوکر اور کبھی کسی باہنر، باشعور اور مخلص غلام کی صلاحیتوں سے اپنی تجارت یا کاروبار میں فائدہ اٹھانے کے لئے بلامعاوضہ آزاد کردیتے تھے۔ بوڑھے اور دوارکار غلاموں کو بھی جو آقا پر بار ہوتے عام طور پر آزاد کردیا جاتا تھا۔ آزاد کردہ غلام کو مولیٰ (تابع) کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا لیکن اس کی آزادی کے ساتھ بہت سی پابندیاں لگی ہوئی تھیں۔ عرب معاشرہ

---

[1] ابن سعد ۷/ ۱۱۳-۱۱۴ [2] ابن سعد ۳/ ۴۱، اصابہ ۱/ ۵۶۶ [3] کنز العمال ۱۰/ ۳۰۸

[4] بیہقی ۱۰/ ۳۲۲-

یہ مولیٰ آزاد عرب کا ہمسر نہیں ماتحت اور دوسرے درجہ کا شہری تھا۔ انہیں آزاد کنندہ کا تاحیات وفادار و مددگار رہنا اس کا سماجی فرض تھا۔ اس کی میراث میں اس کا آزاد کنندہ شریک ہوتا تھا لیکن آزاد کنندہ کی میراث سے مولیٰ کو کوئی حصہ نہیں ملتا تھا۔

غلاموں کی محنت سے فائدہ اٹھانے اور افزائش دولت کے کاموں میں ان سے خدمت لینے اور بامعاوضہ یا بلامعاوضہ آزاد کرنے کے سارے طریقے جس کا اوپر ذکر ہوا مع سماجی واجباتِ موالی کے اسلام میں برقرار رہے۔ سنہ ۲ ھ کے بعد جوں جوں مسلمان عربوں کی مالی حالت بہتر ہوتی گئی غلاموں کو افزائش دولت کے کاموں میں استعمال اور معاوضہ لے کر آزاد کرنے (مکاتبت) کا کاروبار بڑھتا گیا۔ غلام خریدے بھی جاتے تھے اور غنیمت کی مد سے مفت بھی ملتے تھے۔ رسول اللہ نے انصار کی فالتو اراضی اور مدینہ سے نکالے ہوئے یہودیوں کے جو فارم، جائداد اور نخلستان مسلمانوں میں بانٹے ان کی اصلاح اور دیکھ بھال کرنے نیز پیداوار بڑھانے کی جدوجہد کرنے والے غلام اور موالی ہی تھے۔ فاروقی دور میں غلاموں کا استعمال بہت بڑھ گیا اور بعد کے ادوار میں مزید بڑھا۔ وجہ یہ تھی کہ فاروقی خلافت میں بڑے بڑے کئی ملک فتح ہوئے جہاں مسلمانوں نے منہزم دشمن کے ہزاروں مرد اور بال بچے غلام بنا لئے تھے۔ فاروقی عہد میں دیوان العطاء کا ادارہ قائم ہوا جس نے غلاموں کے لئے مفت راشن مقرر کر کے آقاؤں کو غلاموں کی خوراک کے بارے آزاد کر دیا۔ دیوان العطاء کی اس عظیم رعایت سے ان لوگوں کی بڑی حوصلہ افزائی ہوئی جو غلاموں کی تعداد بڑھا کر اپنی تجارت اور کاروبار کو فروغ دینے یا نخلستانوں اور کھیتوں کی پیداوار بڑھانے کا داعیہ رکھتے تھے۔ سنہ ۲۰ ھ میں عمر فاروق نے حجاز کے یہودیوں کو فدک خیبر اور وادی القریٰ سے جلاوطن کر دیا۔ یہ لوگ اپنے ان علاقوں کی نصف پیداوار حکومت مدینہ کو دیا کرتے تھے اور باقی حق محنت کے طور پر اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ یہودیوں کو نکالنے کے بعد عمر فاروق نے تینوں علاقوں کے نخلستانوں اور فارموں کی داخت پرداخت کے لئے غلام اور موالی مامور کر دیئے جو بڑوسی ملکوں کی فتوحات کے دوران بکثرت ہاتھ آ گئے تھے۔ اس اقدام سے ان علاقوں کی نصف کی جگہ کل پیداوار مرکزی خزانہ یا ان لگ بھگ دو ہزار صحابیوں میں تقسیم ہونے لگی جنھوں نے نصف خیبر اور وادی القریٰ کو رسول اللہ کی قیادت میں بزور شمشیر فتح کیا تھا۔

تجارت، کاروبار، زراعت اور باغبانی کے میدانوں میں خدمت لے کر اقتصادی ترقی حاصل کرنے کے علاوہ بہت سے لوگ آمدنی بڑھانے کے لئے غلاموں سے ایک مقررہ ٹیکس کے بالمقابل محنت مزدوری کرایا کرتے تھے۔ ممتاز صحابہ میں جو لوگ غلاموں سے یومیہ ٹیکس وصول کرتے تھے۔ ان میں ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور زبیر بن عوام کے نام بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں سنن کبریٰ میں ہے کان لابی بکر غلام یخرج لہ الخراج وکان ابوبکر یأکل منہ۔ ابوبکر صدیق کا ایک غلام تھا جو (محنت مزدوری کر کے) یومیہ ٹیکس ادا کرتا تھا اور ابوبکر صدیق یہ ٹیکس اپنے خرچ میں لاتے تھے۔ زبیر بن عوام کے ایسے ایک ہزار غلام تھے جو یومیہ ٹیکس ادا کرتے تھے کان للزبیر ألف مملوک یؤدون الیہ الخراج۔ عمر فاروق کے گورنر کوفہ مغیرہ بن شعبہ نے اپنا ایک دست کار فارسی غلام جس کا نام فیروز ابو لؤلؤ تھا محنت مزدوری کے لئے مدینہ بھیج دیا تھا اور اس سے ڈیڑھ روپیہ اور بقول بعض دو روپے یومیہ ٹیکس وصول کرتے تھے۔ یہ وہی ابولولو ہے جس نے اس ٹیکس سے اپنی گرانباری کی عمر فاروق سے شکایت کر کے مغیرہ بن شعبہ سے اس میں تخفیف کرانے کی درخواست کی تھی اور جب وہ سفارش کرنے کے لئے تیار نہیں ہوئے تو طیش میں آکر ان پر قاتلانہ حملہ کر دیا تھا جس کے زیر اثر تین چار دن بعد ان کا انتقال ہو گیا تھا۔

غلاموں کے ذریعہ افزائش دولت کے اس کاروبار کو جس کا نام مکاتبت (آزادی بمقابل معاوضہ) تھا خلافت راشدہ میں خوب فروغ ہوا۔ زرِ مخلصی دے کر بالعموم وہ غلام آزادی لیتے جن کا تعلق اچھے مالدار اور تاجر گھرانوں سے ہوتا تھا۔ یہ لوگ غلامی کی خست، ذلت اور خواری سے نجات پانے کے لئے اپنے آقاؤں سے مالی معاہدے کر کے مکاتب بن جاتے اور آزادی کے بعد موالی کے طبقہ میں داخل ہو جاتے۔ جاہلی عرب معاشرہ کا ایک ضابطہ یہ تھا کہ آزادی خریدنے کے بعد موالی اپنے سابق آقا سے پوری طرح غیر متعلق نہیں ہو سکتا تھا۔ اور وقت ضرورت آقا کی مدد کرنا اس کے واجبات میں سے تھا، چاہے مدد تجارت اور کاروبار میں ہاتھ بٹانے یا کسی دشمن سے مقابلہ کرنے کی شکل میں ہوتی یا گھریلو کاموں سے اس کا تعلق ہوتا۔ دوسرا ضابطہ یہ تھا کہ اگر مکاتب زرکتابت کی آخری پائی ادا کرنے سے پہلے مرجاتا یا ہر قسط پوری پوری یا مقررہ میعاد پر ادا کرنے سے قاصر رہتا تو معاہدہ کالعدم ہو جاتا۔ یعنی مکاتب کو قسطوں کے حساب سے آزادی نہیں ملتی تھی اور وہ اور

اس کے بال بچے بدستور غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہتے تھے۔ رسول اللہ[۱]: جو شخص اپنے غلام سے دو ہزار روپے (سو اوقیہ) پر کتابت کا معاہدہ کرے اور غلام دو سو روپے (دس اوقیہ) دینے سے قاصر رہے تو وہ بدستور غلام رہے گا[۱]۔ ایما رجل کاتب غلامہ علی مئۃ اوقیۃ فعجز عن عشر اواق فھو رقیق۔ عمر فاروق، عثمان غنی، ام المؤمنین عائشہ اور زید بن ثابت: مکاتب غلام بنا رہیگا اگر آٹھ آنے (ایک درہم) بھی اس کے ذمہ باقی رہیں[۲]۔ المکاتب عبد ما بقی علیہ درہم۔ عبداللہ بن عمر: مکاتب غلام رہے گا خواہ وہ جیتا رہے خواہ مرجائے خواہ پاگل ہو جائے اگر اس کے ذمہ کچھ بھی باقی ہے[۳]۔ المکاتب عبد ان عاش وان مات وان جن ما بقی علیہ شیٔ۔ مجاہد (بن جبیر) امہات مومنین (رسول اللہ کی بیویاں) مکاتب سے پردہ نہیں کرتی تھیں۔ اگر اس پر ایک مثقال یا ایک دینار زر کتابت باقی رہ جاتا تھا[۴]۔ کانت امہات المومنین لا یحتجبن عن المکاتب ما بقی علیہ مثقال او دینار۔ قتادہ (بن دعامہ) نے عمر فاروق کی سند پر: اگر مکاتب مرجائے اور مال و متاع چھوڑے تو اس کا مالک آقا یا اس کے وارث ہوں گے اور مکاتب کے وارثوں کو کچھ نہیں ملے گا[۵]۔ اذا مات المکاتب وترک مالا فھو لمولاہ ولیس لورثتہ شیٔ۔ علی حیدر: اگر مکاتب پر دو قسطیں چڑھ جائیں اور وہ ان کی ادائیگی سے قاصر رہے تو (معاہدہ منسوخ) اور وہ جوں کا توں غلام بنا رہے گا[۶]۔ اذا تتابع علی المکاتب نجمان فلم یؤد نجومہ رد الی الرق۔ عطاء بن ابی رباح: عبداللہ بن عمر نے ایک غلام کو مکاتب بنایا تو اس نے ساڑھے چار ہزار روپے (نو سو دینار) ادا کر دیئے۔ اور اس کے ذمہ پانچ سو روپے (سو دینار) رہ گئے جو وہ ادا نہ کر سکا تو ابن عمر نے (اس کا معاہدہ منسوخ کرکے)

---

۱ بیہقی ۳۲۴/۱۰ ۲ موطا ص۲۳۱، شافعی ۳۸۲/۷، زیلعی ۱۴۵-۱۴۴/۲ بیہقی ۳۲۴/۱۰

۳ موطا بیہقی ۳۲۵/۱۰ ۴ یعنی ان پر آزاد مرد سے پردہ کرنا واجب تھا اور چونکہ ان کی رائے میں آخری مثقال یا دینار ادا کرنے سے پہلے مکاتب غلام بنا رہتا تھا وہ اس کے سامنے آتیں اور پردہ نہیں کرتی تھیں۔

۵ بیہقی ۳۳۲/۱۰

۶ بیہقی ۳۴۲/۱۰ و زیلعی ۱۴۶/۴

اسے حسب سابق غلام بنائے رکھا۔[1] ان ابن عمر کاتب مکاتبا فأدی تسعمئة وبقی مئة دینار فعجز فردہ فی الرق۔ نافع (ابو عبداللہ مدنی): عبداللہ بن عمر کا ایک مکاتب تھا جس کا کنیز کے بطن سے ایک لڑکا تھا، اس نے کتابت کے ساڑھے سات ہزار روپے (پندرہ ہزار درہم) ادا کردیئے تھے۔ اس کے بعد وہ مرگیا تو ابن عمر نے اس کا سارا مال ومتاع لے لیا اس کے بچے کو کچھ نہیں دیا بلکہ اسے غلام بنا لیا اور اس کے روپے پیسے پر خود قابض ہوگئے۔

جاہلی عہد کے یہ غیر مکتوب ضابطے قاعدے اسلام کے بعد بھی برقرار رہے۔ ان کی خلاف ورزی شاذ ونادر ہی کی جاتی تھی۔ عام طور پر مالک زر خلاصی کی رقم یکمشت لینے سے گریز کرتے تھے۔ اور سالانہ یا چھ ماہی قسطوں میں لینے پر اصرار کرتے تھے تاکہ مکاتب فراہمی زر کی تگ ودو اور مشقت کے دوران کل زر مکاتبت ادا کرنے سے پہلے مرجائے جیسا کہ ہوتا رہتا تھا اور قسطوں کے ساتھ اس کی میراث پر بھی آقا قابض ہوجائے۔ امام شافعی: انس بن مالک (رسول اللہ کے دس سالہ خادم) کا ایک مکاتب، عمر فاروق کے پاس آیا اور بولا کہ میں نے زر کتابت انس بن مالک کو یکمشت پیش کیا تو انھوں نے لینے سے انکار کردیا۔ عمر فاروق نے کہا: بات یہ ہے کہ انس تمہارے وارث بننا چاہتے ہیں۔[2] روی عن عمر بن الخطاب ان مکاتبا لانس جاءہ وقال: إنی أتیت بمکاتبتی الی انس فأبی أن یقبلہا فقال عمر: ان أنسا یرید المیراث۔ نقد قسطوں کے ساتھ کبھی مالک دوسری چیزیں مثلاً غلام، کنیز، بکری، اونٹ یا خدمت بھی اپنے مکاتب پر لازم کردیتے تھے۔ کبھی کتابت سے نقد روپیہ بالکل خارج ہوتا اور معاہدہ میں کسی قسم کا سامان، مال، متاع یا محض غلام داخل ہوتے نافع (ابو عبداللہ مدنی): ام المومنین حفصہ بنت عمر فاروق نے ایک غلام کو متعدد غلاموں کے بالمقابل مکاتب بنایا جن میں سے تین میرے ہمعصر تھے۔[3]

کتابت کے خط وخال اور اسکے اقتصادی منافع کو زیادہ واضح کرنے کیلئے ہم یہاں کی چند مثالیں عربی اخبار وآثار سے پیش کرتے ہیں:

---

[1] بیہقی ۱۰/۳۲۱ [2] ام ۷/۳۹۰ [3] بیہقی ۱۰/۳۲۴ - ۳۲۵

(۱) ابو سعید: مجھے بنولیث کی ایک عورت نے ذوالمجاز کے بازار سے ساڑھے تین سو روپے (سات سو درہم) میں خریدا۔ مدینہ آکر اس نے بیس ہزار روپے (چالیس ہزار درہم) میں مجھے مکاتب بنالیا۔ اس رقم کا بیشتر حصہ میں نے ادا کر دیا۔ باقی لے کر عورت کے پاس گیا تو اس نے لینے سے انکار کیا اور بولی: میں نہیں لیتی، کتابت کی رقم تمہیں ماہ بماہ اور سال بسال ادا کرنی ہوگی۔ میں نے جا کر عمر فاروق سے شکایت کی تو انھوں نے کہا: زر کتابت خزانہ میں جمع کر دو۔ پھر اس عورت کو بلا کر کہا: ابو سعید آزاد ہو چکا۔ تمہارا روپیہ خزانہ میں ہے، لے لو خواہ ماہانہ قسطوں میں خواہ سالانہ قسطوں میں۔ عورت سب روپیہ یکمشت لے گئی[۱]

(۲) فقیہہ بصرہ: انس کے والد سیرین[۲]: (رسول اللہ کا دس سالہ خادم) انس بن مالک نے مجھ پر دس ہزار روپے (بیس ہزار درہم) پر کتابت کی۔ میں اس فتح میں (بطور غلام تھا) جو (خوزستان کے قلعہ بند شہر) تستر کا محاصرہ کئے ہوئے تھی۔ میں نے کپڑا خریدا اور اسے نفع سے بیچ کر انس بن مالک کو زر کتابت پیش کیا تو انھوں نے لینے سے انکار کر دیا اور بولے: میں یکمشت نہیں لوں گا، مجھے قسطوں میں چاہئے (مدینہ جا کر) میں نے عمر فاروق سے شکایت کی۔ انھوں نے کہا: اچھا تم وہ ہو۔ عمر پہلے مجھے کپڑا بیچتے دیکھ چکے تھے اور تجارت میں میرے لئے برکت کی دعا کی تھی۔ میں نے کہا: جی ہاں میں وہی ہوں۔ عمر فاروق: انس تمہارے وارث بننا چاہتے ہیں (اس لئے قسطوں کی شرط لگائی ہے کہ تم ان کی ادائیگی کے دوران مر جاؤ اور وہ تمہاری میراث پر قبضہ کر لیں) عمر فاروق نے انس کو (جو بصرہ میں بس گئے تھے) خط لکھا کہ زر کتابت یکمشت لے لو، مجبوراً ان کو لینا پڑی[۳] کاتبنی انس بن مالک علی عشرین الفا فکنت فی من فتح[۴]

---

[۱] ابن سعد ۷/۱۲۰ کنز العمال ۵/۲۵۵

[۲] سیرین ایک عیسائی راہب تھا جسے خالد بن ولید نے ۱۲ھ میں عین التمر (عراق) کے ایک گرجا سے دوسرے انتالیس راہبوں کے ساتھ پکڑ کر غلام بنالیا تھا (طبری لائڈن) صفحہ ۲۰۶۴

[۳] صفحہ ۳۴۴ [۴] فی الاصل: مفتح۔

نسمتو خا شتریت بتزة[۱] فخرجت فیھا فاتیت انس بن مالک بکتابته فأبی أن یقبلھا منی الا نجوماً فأتیت عمر فذکرت لہ فقال اتت ھو وقد کان رانی ومعی أثواب فتعالی بالبرکة، قلت نعم، فقال: أراد أنس المیراث ثم کتب إلیٰ أنس أن اقبلھا من الرجل فقبلھا۔

(۳) مجربین ہے: سیرین نے انس بن مالک سے کتابت کی درخواست کی تو انھوں نے مکاتب بنانے سے انکار کر دیا۔ سیرین نے پوچھا: آپ کیوں انکار کر رہے ہیں۔ انس بولے: میں چاہتا ہوں کہ جب تم مرو تو تمہاری میراث مجھے ملے۔ سیرین نے (مدینہ جاکر) عمر فاروق سے اس بات کی شکایت کی تو انھوں نے انس بن مالک کو حکم دیا کہ سیرین کو مکاتب بنالیں، (اس حکم کے ماتحت) انس نے بیس ہزار روپے (چالیس ہزار درہم) میں سیرین کو مکاتب بنالیا[۱] اراد سیرین المکاتبة فأبی أنس، فقال لہ: ما یمنعک؟ قال: أردت أن تموت فأرثک، فأتی سیرین عمر فقال: إنی أردت أنسا علی المکاتبة فأبی، فأمره عمر فکاتبه علی أربعین ألفا۔

(۴) عثمان غنی کا ایک غلام: عثمان غنی نے مجھے ایک تجارتی مہم پر بھیجا اور جب میں واپس آیا تو انھوں نے میری کارگذاری کو سراہا۔ ایک دن میں ان کے سامنے آکر کھڑا ہوا اور بولا: امیر المومنین مجھے مکاتب بنا لیجیے۔ یہ سن کر ان کے تیور بدل گئے اس کے باوجود انھوں نے کہا: اچھی بات ہے۔ اگر قرآن میں مکاتب بنانے کی سفارش نہ کی گئی ہوتی[۲] تو تمہاری درخواست قبول نہ کرتا۔ میں پچاس ہزار روپے (الف مئة درھم) زر کتابت لوں گا جو دو قسطوں میں تمہیں ادا کرنی ہوگی۔ اور اس میں سے ایک درہم (آٹھ آنے) کم نہیں کروں گا[۳]۔ بعثنی عثمان رض فی تجارة فقدمت علیه فأحمد ولایتی، فقمت بین یدیه ذات یوم فقلت: یا امیر المؤمنین اسالک الکتابة فقطب ثم قال نعم: ولولا آیة فی کتاب اللہ ما فعلت، أکاتبک علی مئة ألف علی أن تعدّھا لی فی عدتین واللہ لا أغضک منھا درھما۔

---

[۱] اصل میں رثة (کاٹھ کباڑ) اور کنز میں رمة (پرانی رسی) ہے۔ ہماری رائے میں رثہ اور رمہ بزہ کی تحریف ہے۔ [۲] والذین یبتغون الکتاب مما ملکت أیمانکم فکاتبوھم إن علمتم فیھم خیراً کی طرف اشارہ ہے۔ [۳] بیہقی ۱۰/۳۲۰ کنز العمال ۵/۲۲۵۔